© rasailojaraid.com

سلاطین ہند اور اسلامی تہذیب

ڈاکٹر محمد سعود عالم القاسمی

بادشاہ اور سلاطین ملک وقوم کے سربراہ اور ذمہ دار ہونے کی وجہ سے کسی بھی تہذیب کی تصویر بنانے اور بگاڑنے یا اسے رواج دینے اور کمزور کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں کیونکہ ان کے پاس قوت نافذہ ہوتی ہے اور عوام کی اجتماعی زندگی سے ان کا براہ راست تعلق ہوتا ہے۔ مشہور قول ہے "الناس علی دین ملوکھم" چنانچہ قوموں کی وابستگی اپنے سربراہ حکومت سے تقریباً اسی طرح کی ہوتی ہے جس طرح خاندان کے افراد کی اپنے سربراہ سے۔ فرق صرف قانون اور خون کا ہوتا ہے، بادشاہ جن چیزوں کو رواج دینا چاہتا ہے وسائل و ذرائع اور رائے عامہ کے ذریعہ انہیں سہل بنا دیتا ہے، اور جن چیزوں کو ختم کرنا چاہتا ہے ان کو مختلف پابندیوں کے ذریعہ یا حوصلہ شکنی کرکے کمزور کر دیتا ہے، اسی لیے حضرت عثمان فرماتے ہیں "ان اللہ یزع بالسلطان مالا یزع بالقرآن" اللہ تعالیٰ سلطان کے ذریعہ ان چیزوں سے روک دیتا ہے جن سے وہ قرآن کے ذریعہ نہیں روکتا۔ شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی کہتے ہیں "پادشاہ نسبت بعالم در زنگ دل است نسبت بدن کر اگر دل صالح است، بدن صالح است واگر فاسد است فاسد، صلاح پادشاہ صلاح عالم است وفساد او فساد عالم"[1] یعنی بادشاہ کی نسبت دنیا میں وہی ہے جو نسبت جسم میں دل کی ہے اگر دل درست ہوگا تو بدن بھی درست ہوگا اور اگر دل فاسد ہوگا تو بدن بھی فاسد ہوگا۔ بادشاہ کی صلاح و درستگی دنیا کی صلاح ہے اور بادشاہ کا فساد دنیا کا فساد ہے۔

ہندوستان میں مسلم تہذیب کی جو تصویر ابھری ہے اس کی رنگ آمیزی میں مسلم سلاطین

---

[1] شیخ احمد سرہندی، مکتوبات، دفتر اول، مکتوب نمبر ۴۷ بنام شیخ فرید

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا بھی اہم کردار رہا ہے، کہیں یہ رنگ خدائی رنگ (صبغۃ اللہ) سے ہم آہنگ ہے اور کہیں اس سے مختلف اور متضاد، مگر اس تہذیب کے سلسلہ میں سلاطین ہند کے کردار پر گفتگو کرنے کے ساتھ ضروری ہے کہ ہم ان کی تاریخ، سیرت، ماحول، کارناموں اور نظریۂ حکومت کا جائزہ لیں اس لیے کہ وہ سب کے سب اسلام کے نمائندے اور ترجمان نہیں تھے۔ ان میں دین و شریعت کے پابند بھی تھے اور اس سے بے نیاز بھی، مملکت کو دین سے جدا کرنے والے بھی تھے اور اسے اسلامی احکام کے تحت لانے والے بھی۔

ہندوستان میں مسلم سلاطین کی تاریخ محمد بن قاسم سے شروع ہوتی ہے، چونکہ محمد بن قاسم کی فتوحات سندھ اور ملتان تک محدود تھیں اس لیے ان کے اثرات ہندوستان کے دوسرے علاقوں تک یا تو منتقل نہیں ہوئے اور اگر کسی درجہ میں ہوئے بھی تو ان سے کوئی بڑی تبدیلی رونما نہیں ہوئی۔ شمالی ہندوستان میں مسلمانوں کی فتوحات کا سلسلہ تواتر اور تسلسل کے ساتھ اصلاً سبکتگین م ۳۸۰ھ اور محمود غزنوی م ۴۲۱ھ یعنی ترک سلاطین سے شروع ہوتا ہے۔ مگر یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ سبکتگین سے لے کر آخری مغل حکمراں تک جتنے سلاطین نے ہندوستان پر حکومت کی ان میں سے کوئی عرب نہ تھا اور نہ کسی کو اس گہوارہ میں نشو و نما پانے اور اس کی تعلیم و تربیت سے فیض یاب ہونے کا موقع میسر ہوا تھا، یہ سلاطین بیشتر وسط ایشیا سے تعلق رکھتے تھے، یہ جن علاقوں سے آئے تھے وہاں اسلام دوسرے اور تیسرے دور میں پہونچا تھا اور یہ اس دور کے پروردہ تھے جو اسلامی اور عجمی تہذیب کی آمیزش کے لیے مشہور ہے۔ ان علاقوں کے مسلمان اسلام قبول کر لینے اور اسلامی معاشرہ میں شامل ہو جانے کے باوجود اپنے مقامی خیالات، آداب معاشرت اور رسوم و نظریات سے پوری طرح آزاد نہ ہو سکے تھے، تربیت کی کمی اور اسلامی عقائد و احکام سے تفصیلی واقفیت نہ ہونے کی وجہ سے ان میں بہت سی ایسی خرابیاں رہ جاتی تھیں کہ جن کے ہوتے ہوئے ان کو خالص اسلامی تہذیب کا علم بردار کہنا مشکل معلوم ہوتا ہے، ترک قبائل کے متعلق مولانا سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں:

> "وہ بیشتر مسلمان نہ تھے وہ غلاموں کی حیثیت سے ہزارہا کی تعداد میں فروخت ہوتے تھے سلاطین اور امراء ان کو خرید کر مسلمان بنا کر فوج میں بھرتی کرتے تھے یا وہ خود لوٹ مار کے شوق میں وسط ایشیا سے نکل کر اسلامی ممالک میں آتے تھے، اور مسلمان ہو کر مختلف بادشاہوں اور امیروں کی فوج میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھرتی ہوتے تھے اور آگے چل کر بڑے بڑے افسر ہو جاتے تھے، الپتگین اور سبکتگین جو اس غزنوی سلطنت کے بانی تھے، اسی قسم کے ترک غلام تھے سلطان غوری کے جانشین التمش وغیرہ بھی ایسے ہی تھے۔"[1]

مشہور محدث حافظ ابن حجر عسقلانی م ۸۵۲ھ اپنے زمانہ کے بعض ترک امراء کے بارے میں لکھتے ہیں کہ دعویٰ اسلام کے باوجود احکام شرعیہ سے جہالت کی بنا پر ایک ایک آدمی بہت سی عورتوں کو اپنی زوجیت میں رکھتا ہے۔[2] عباسی دورِ حکومت میں ان غلاموں نے جب اپنا مقام بنا لیا اور حکومت کے اہل کاروں میں شامل ہو گئے تو ان کا شیوہ یہ ہو گیا کہ وہ بغداد میں گھروں میں گھس کر مسلم خواتین سے چھیڑ خانی کرتے، لوگوں کو اذیت دیتے اور دوسری قبیح حرکات کا ارتکاب کرتے تھے ایک مرتبہ خلیفہ معتصم باللہ جب اپنی سواری پر نکلا تو ایک بوڑھے نے سامنے آ کر اس طرح فریاد کی:

"اے ابو اسحاق پڑوس کے معاملہ میں خدا تم سے سمجھے اور تمہیں جزائے خیر نہ دے تم ایک مدت تک ہمارے پڑوس میں رہے اور ہم نے تم کو بدترین پڑوسی پایا۔ تم نے ہمارے اوپر ان وحشی ترک غلاموں کو مسلط کر دیا ہے ان کو ہمارے درمیان بسا کر ہمارے بچوں کو یتیم اور ہماری عورتوں کو بیوہ بنا دیا ہے، خدا کی قسم اب ہم اپنی آہِ سحرگاہی کے تیروں سے تمہارا مقابلہ کریں گے۔"[3]

ان میں بہت سے ایسے بھی تھے جو اصلاً مجوسی تھے مگر بظاہر اسلام قبول کر کے مسلمان فوج میں شامل ہو کر اونچے مناصب تک پہونچ گئے تھے خلیفہ معتصم باللہ نے الپتگین حیدر کو اپنی فوج کا سپہ سالار اعظم مقرر کیا تو اس نے رئیس طبرستان کو خفیہ طور پر لکھا کہ "ہم اور آپ دو ہی شخص دین زرتشت کے حامی اور ناصر رہ گئے ہیں آپ علم بغاوت بلند کر دیں مقابلہ کے لیے میں ہی بھیجا جاؤں گا اور میں لشکر کے ساتھ آپ سے مل جاؤں گا۔"[4]

---

[1] سید سلیمان ندوی، عرب و ہند کے تعلقات ص۱۰۸، اعظم گڑھ ۱۹۷۹ء

[2] محمد علی بن حجر عسقلانی، فتح الباری ۱/۱۷۹، بیروت

[3] محمد علی ابن طباطبا، الفخری ص۲۸۱، اردو ترجمہ لاہور ۱۹۶۲ء

[4] سید احمد اکبر آبادی، مسلمانوں کا عروج و زوال ص

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جب ترک ہندوستان میں فاتح اور حکمراں کی حیثیت سے آئے تو ان میں سے بیشتر مسلمان ہو چکے تھے اور اسلام کو بہت سے پہلوؤں سے انہوں نے تقویت پہونچائی مگر عرب حکمرانوں اور تاجروں کی طرح ان میں اسلام کی اشاعت اور خدمت کا جذبہ وافر نہ تھا، وہ دین حنیف کی سربلندی سے زیادہ فتوحات اور غنیمتوں سے دلچسپی رکھتے تھے اور ہندوستان کے باشندوں کو اللہ کا مطیع اور فرماں بردار بنانے کے بجائے اپنا محکوم اور باجگزار بنانے کو اہمیت دیتے تھے، چنانچہ تحقیق سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ ان فاتحین کے ساتھ داعیان اسلام بھی آئے ہوں[1]۔ سلطان محمود غزنوی نے ہندوستان پر سترہ حملے کیے اور آج بھی وہ بت شکن مسلمان فاتح کی حیثیت سے معروف ہے مگر جب اس کے سامنے نیشاپور کے ایک دولت مند تاجر کو قرامطہ کے عقائد کے الزام میں پیش کیا گیا تو اس نے محض اس بنا پر اسے چھوڑ دیا کہ اس تاجر نے اپنی تمام دولت اس کے حوالہ کر دینے کا وعدہ کر لیا بادشاہ نے نہ صرف اس سے مواخذہ نہیں کیا بلکہ ایک صداقت نامہ بھی لکھ دیا جس میں اس کے عقائد کی صحت کی توثیق کی گئی تھی[2]۔ اس نے حنفیہ اور شافعیہ میں تحقیق حق کے لیے مناظرہ کرایا تو فیصلہ کے لیے ایک عربی داں عیسائی کو مقرر کیا[3]۔ ہندوستان پر اس کے تمام حملوں کا ماحصل صرف اتنا نکلا کہ لاہور پشاور اور گر ولواح کا علاقہ غزنوی حکومت کے زیرنگیں آگیا مگر اس نے سوائے جمع اموال کے اور کوئی فائدہ نہ اٹھایا۔ آل سبکتگین میں فرخ زاد م ۴۵۰ھ اور ابراہیم بن مسعود م ۴۹۲ھ کی مثالیں بھی موجود ہیں۔ جن کی زندگیاں متقیوں اور اولیاء اللہ کی تھیں اور ان کو اپنی حکمرانی سے زیادہ خدا کی بادشاہت کا خیال تھا[4] مگر یہ استثنائی مثالیں اس صورت حال کو بدلنے سے قاصر تھیں جو عجمی نظریہ حکومت کی بنا پر پیدا ہوئی تھی اور جو رسم سلطنت کی شکل اختیار کر چکی تھی۔

غوری سلاطین کا معاملہ ترکوں سے کچھ زیادہ مختلف نہ تھا، غور میں اسلام کی اشاعت گیارہویں صدی عیسوی کے وسط میں ہوئی یہ وہ زمانہ تھا جب اسلامی معاشرہ کو اپنے مراکز

---

[1] ارنلڈ، دعوت اسلام ص۲۰۳، آگرہ

[2] K.M. Ashraf. Life and Conditions of the People of Hindustan, P. 41

[3] شبلی نعمانی، علم الکلام ۱/۵۸ اعظم گڑھ ۱۹۳۹ء

[4] عبدالقادر بدایونی، منتخب التواریخ ۱/۳۷، کلکتہ ۱۸۶۸ء، نیز دیکھیے منہاج سراج جوزجانی، طبقات ناصری ص۱۲، کلکتہ ۱۸۹۷ء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں انتشار اور اضطراب کی صورت حال کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا، غوری حکمرانوں کے سیاسی عروج کے وقت وہاں کے مسلمانوں میں فکر و عمل کی بہت سی گمراہیاں جڑ پکڑ چکی تھیں اور مسلمانوں نے بہت سے مقامی اور اجنبی نظریوں کو اسلامی معاشرہ کے ساتھ ملا لیا تھا، دیہی علاقوں کی طرف علماء کی دعوتی اور اصلاحی توجہ نہ ہونے کی بناپر عوام کا تعلق برائے نام ہی اسلام سے تھا، مسلمانوں کی اکثریت کرامیہ فرقہ سے تعلق رکھتی تھی جس کے بانی ابوعبداللہ محمد بن کرام م ۸۶۹ء کا عقیدہ تھا کہ ایمان کا انحصار صرف زبانی اقرار پر ہے وہ انسانوں کی طرح خدا کے جسم کے قائل تھے جو عرش پر ایک مخصوص جگہ پر متمکن ہے، بقول خلیق احمد نظامی "تشبیہ و تجسیم کے یہ خیالات اور عقائد ان علاقوں میں بہت کامیاب ثابت ہوئے جہاں لوگوں کے مذہبی شعور نے مہایانہ بدھ مت کے زیر اثر نشو و نما پایا تھا، اس لیے کہ فکری اعتبار سے تبدیلی کی نوعیت بہت محدود تھی، جس طرح پہلے مہاتما بدھ کنول پر بیٹھا تھا اب اسی طرح اللہ عرش پر بٹھا دیا گیا اصل میں کرامیہ فرقہ اسلام اور بدھ مت کی درمیانی منزل تھی، کہا جاتا ہے کہ محمد بن کرام نے ہزاروں غیر مسلموں کو اپنے فرقہ میں شامل کر لیا تھا"[1]

علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ غوری قبائل چوتھی صدی ہجری کے وسط تک یعنی غزنویوں کی پیدائش کے بعد تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، سلطان محمود سے پہلے ان اطراف میں نہ اسلامی درس گاہیں تھیں اور نہ اسلامی تعلیمات کا رواج ہوا تھا اور نہ مسلمان علماء پھیلے تھے چنانچہ یہ امر واقعہ ہے کہ چوتھی صدی ہجری کے جغرافیہ نویس اس عہد کے غور کو غیر مسلموں کی اکثریت کی بناپر "دارالکفر" ہی کے نام سے پکارتے ہیں[2][3]

ہندوستان پر ترک سلاطین (خاندان غلاماں) کی حکومت لمبے عرصے تک قائم رہی،

---

[1] خلیق احمد نظامی، سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ص ۱۳، دہلی ۱۹۸۱ء

محمد بن عبداللہ کے مخالفین ان کی تصویر کشی کرنے میں جس رنگ آمیزی سے کام لیتے ہیں وہ بہت زیادہ صحت مند نہیں ہے کیونکہ دوسرے ماخذ بتاتے ہیں کہ محمد بن عبداللہ متقی پاکباز، مقرر و مبلغ اور راسخ العقیدہ مسلمان تھے اور یہ کہ وہ ہم عصر فقہاء پر ان کی دربار سلاطین سے وابستگی کی بناپر تنقید کرتے تھے جس کے ردعمل میں وہ نشانہ ملامت ٹھہرے تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو پروفیسر اقتدار حسین کا مقالہ ابو محمد عبداللہ بن کرام سہ ماہی تحقیقات اسلامی، علی گڑھ اکتوبر دسمبر ۱۹۹۱ء

[2] عرب و ہند کے تعلقات ص ۱۹۰

[3] ذبیح اللہ صفا، تاریخ ادبیات در ایران ص ۱۹۹ تہران ۱۳۳۳ھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس خاندان کا بانی سلطان قطب الدین ایبک م ۱۲۱۰ء پہلا حکمراں تھا جس نے دہلی کو اپنا دار الخلافہ بنا کر اسلامی تہذیب و تمدن کا اسے گہوارہ بنایا جبکہ اسے صرف چار سال حکومت کرنے کا موقع ملا۔

قطب الدین ایبک کے بعد دہلی سلطنت کے غلام حکمرانوں میں سلطان التمش کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے اور یہ اہمیت اس کے مذہبی رجحان، چشتی بزرگوں سے نیاز مندانہ تعلقات اور ذاتی اعمال کے بدولت دی جاتی ہے۔ بلاشبہ التمش کی زندگی صاف ستھری تھی اور دوسرے سلطانوں کے مقابلہ میں وہ زیادہ پابند شریعت اور خداترس نظر آتا ہے، مگر جب ہم مولانا سید نورالدین مبارک غزنوی کی وہ نصیحت اور تنبیہ پڑھتے ہیں جو انھوں نے کئی بار سلطان کو کی تھی تو کچھ ایسا لگتا ہے جیسے التمش کی مذہب سے وابستگی اور دینی جذبات و میلانات کے باوجود اس کا طرز حکمرانی اسلامی اصولوں پر مبنی نہ تھا مولانا سید نورالدین نے سلطان کے دربار میں کہا تھا "بادشاہ جو کچھ امور بادشاہت کے لوازم کرتے ہیں، ان کے کھانے پینے کا طریقہ، کپڑے پہننے کا انداز، اٹھنے بیٹھنے اور سواری کرنے کے اطوار، تخت نشین ہو کر لوگوں کو اپنے سامنے بٹھانا اور سجدہ کرانا اور خدا کے باغی و نافرمان اکاسرہ (جو کہ مجوسی تھے) کے مراسم کی دل و جان سے رعایت کرنا اور بندگان خدا سے اپنے آپ کو تمام معاملات میں برتر سمجھنا یہ سب چیزیں شریعت مصطفوی کے خلاف ہیں اور شرک ہیں[1]"

التمش نے گیارہ بیٹوں کے باوجود بیٹی رضیہ کو اپنا ولی عہد بنایا اور اس کے لیے اپنی جانشینی کی وصیت کی[2] التمش کے بیٹوں میں رکن الدین فیروز شاہ تخت نشین ہوا وہ ایک عیاش اور بدمست حکمراں ثابت ہوا اس کے یہاں ہجڑوں، گویوں، سازندوں، بھانڈوں کا جم گھٹا رہتا، وہ بدمست ہو کر بازاروں میں سونے کے سکے بکھیرتا چلتا[3] اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے خلاف خود اس کی بہن رضیہ سلطانہ نے سازش کی اور اسے محبوس کر کے سلطنت پر قبضہ کر لیا، رضیہ سلطانہ تخت نشینی کے بعد مردوں کی طرح لباس پہنتی

۱۔ ضیاء الدین برنی، تاریخ فیروز شاہی ص۱۳۲، تصحیح سرسید احمد خاں، کلکتہ ۱۸۶۲ء

۲۔ منتخب التواریخ ۱/۷۰، طبقات ناصری ص۱۸۵

۳۔ منہاج سراج، طبقات ناصری ص۱۸۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور سواری کرتی، بے پردہ رہتی، ایک حبشی غلام جمال الدین یاقوت کے ساتھ متہم ہونے کی بنا پر لوگوں نے اسے تخت سے بے دخل کردیا[1] اس عہد کی یہ واحد مسلم حکمراں خاتون تھی جس نے خود مختار حکومت کی مگر اس کی حکومت کو عوام و خواص کس نقطۂ نظر سے دیکھتے تھے اس کا اندازہ عصامی کے حسب ذیل اشعار سے لگایا جاسکتا ہے ؎

زناں جملہ در دام اہرمن اند | بہ خلوت ہمہ کار شیطاں کنند
نکردن تواں بر زباں اعتماد | نشاید بر آہرمناں اعتماد
نزیبد بہ زن تاج و تخت شہاں | کہ شد مملکت قسم کار آگہاں
جہاں داری از زن نیاید نکو | کہ دراصل ناقص شدات عقل او

رضیہ سلطانہ کے بعد معز الدین بہرام شاہ کو تخت نشین کیا گیا۔ اس نے عیش و عشرت اور شہوت پرستی میں شہرت حاصل کی[2] اس کی جانشینی علاء الدین مسعود شاہ نے کی۔ اس کا معاملہ بھی اگلوں سے مختلف نہ تھا، نفس پرستی اور لہو و لعب میں مبتلا ہو کر اس نے اخلاق حمیدہ سے خود کو الگ کرلیا اور ملک میں فتنہ و فساد کا موجب بنا[3] سلطان ناصر الدین محمود کو ۱۲۴۶ء میں بادشاہ منتخب کیا گیا اس کے متعلق یقینی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ یہ بادشاہ متقی، پرہیزگار، حلیم، عابد اور ذاکر انسان تھا وہ سرکاری خزانہ کو کبھی ہاتھ نہ لگاتا تھا۔ اس کا ذریعہ آمدنی قرآن کی کتابت تھی[4] اس کی عبادت اور ملکی خدمت کی صورت حال یہ تھی کہ انھوں نے زمام اقتدار اپنے غلام الغ خاں (غیاث الدین بلبن) کو یہ کہہ کر سونپ دیا تھا کہ "زنہار کارے نکنی کہ فردا در حضرت بے نیاز درمانی و مرا خود را خجل و شرمسار گردانی"[5] ہرگز کوئی ایسا کام نہ کرنا کہ قیامت کے دن خدا کے سامنے تجھے اور مجھے شرمندگی اٹھانی پڑے۔ وہ اپنے اکثر اوقات تخلیہ میں عبادت، تلاوت اور ذکر و نوافل میں صرف کرتا۔ ناصر الدین محمود

---

[1] منہاج سراج، طبقات ناصری ص۱۸۸، نیز دیکھئے ابن بطوطہ، رحلہ ص۴۲۳، بیروت ۱۹۶۴ء
[2] سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ص۱۲۰
[3] طبقات ناصری ص۲۰۰
[4] تاریخ فیروز شاہی ص۲۶
[5] منتخب التواریخ ۱/۸۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے سب غلاموں میں بلبن زیادہ ہوشیار اور تجربہ کار تھا، اس لیے محمود کے بعد سلطنت کی باگ اسی نے سنبھالی، حکومت سنبھالنے سے پہلے اس کی زندگی بقول برنی یہ تھی" در ایام ملکی و نوبت خانی بر شراب خوردن و مجلس آراستن مشہور بود۔ قمار باختے و سیم قمار را غارت کنانیدی و بخشش ہا کردے "۔ ؎۱

شراب نوشی اور یار باشی میں مشہور تھا، جوا کھیلتا اور جوا کے پیسہ کو لٹاتا اور بخشش کرتا مگر تخت نشینی کے بعد اس کی زندگی میں تبدیلی آگئی اور اس نے مسکرات و منہیات اور فسق و فجور سے توبہ کر لی اور عبادات و اذکار کا اہتمام کرنے لگا ضیاء الدین برنی اس تبدیلی کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتا ہے

> "بعد از جلوس تخت پاشاہی گرد مناہی نہ گشت واز جملہ مسکرات توبہ کرد و مجلس شراب ترک آورد و نام شراب و شراب خواراں نہ گرفت و در طاعت و عبادت وصیام و نفل وقیام شب مبالغہ نمود و بمواظبت جمعہ و جماعت و نماز اشراق و چاشت واوابین و تہجد بیکبارگی میل کرد شب ہائی مراہم تمام شب قیام کردے و نوافل واوراد در سفر و حضر از و فوت نہ شدے و بے وضو اصلاً نہ بودے "۔ ؎۲

بادشاہ تخت نشین ہونے کے بعد منکرات کے گرد نہ پھٹکا ہر قسم کی منہیات سے توبہ کر لی اور شراب اور شرابیوں کا نام نہ لیا اور طاعت و عبادت، روزہ و نفل اور شب گذاری میں حد سے بڑھا ہوا تھا جمعہ و جماعت اور اشراق و چاشت، اوابین و تہجد کی نمازوں کی طرف یک بیک مائل ہو گیا، عبادت کی راتوں میں تمام رات قیام کرتا اور سفر و حضر میں اوراد و نوافل نہ چھوڑتا اور کبھی بے وضو نہ رہتا۔

مگر اس دینداری اور عبادت گذاری کے باوجود اس کی سیاسی اور ملکی سرگرمیاں شرعی حدود کی پابند نہ تھیں اس کا طرز حکومت ساسانی طرز کا آئینہ دار تھا اور وہ حکومت کو شریعت سے الگ تصور کرتا اور پرانے امیروں کا یہ قول بار بار نقل کرتا:

؎۱ تاریخ فیروز شاہی ص۴۵

؎۲ ایضاً ص۴۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"ہر بادشاہے کہ حرمت وحشمت خود در ترتیب بار و کوکبہ وسواری و نشستن وبرخاستن بآداب ورسوم اکاسرہ محافظت نہ نماید و در جمیع احوال و اقوال وافعال وحرکات وسکنات او حشمِ پادشاہی مشاہدہ نشود رعب او در دل رعایائے ممالک او منقش نمی شود"[1]

جو "بادشاہ اکاسرہ کے رسوم وآداب کے مطابق اٹھنے بیٹھنے دربار وجشن وجلوس اور سواری کرنے میں اپنی حرمت و دبدبہ کی محافظت نہیں کرتا اور اس کے تمام اقوال و افعال اور حرکات وسکنات سے شاہانہ دبدبہ نہیں جھلکتا تو اس کا رعب بھی اس کے ملک کی رعایا کے دلوں پر نہیں بیٹھتا"۔ برنی سلطان بلبن کی دینداری اور تقوی وطہارت کی تعریف کرنے کے باوجود لکھتا ہے کہ

"در حالت قہر وسطوت بادشاہی خداناترسی را کار فرمودے و در کشتن و بستن بلغاکیاں وسرتاباں صلاحیت ودینداری را پشت دادے وانچہ صلاح ملک چند گاہ خود دانستے خواہ مشروع خواہ نامشروع آں را در کار آوردے"[2]

یعنی "غیظ وغضب کی حالت میں بادشاہ خدا سے بے خوفی کا ارتکاب کرتا اور سرکشوں اور باغیوں کو باندھنے اور قتل کرنے میں نیکی اور دین داری کو پس پشت ڈال دیتا اور جو کچھ اس کی نظر میں ملک کے مفاد میں ہوتا عام اس سے کہ وہ جائز ہے یا ناجائز اسے کام میں لاتا"۔ بلبن نے تخت نشینی سے پہلے اپنے بیٹوں کے نام محمد اور محمود رکھے لیکن تخت نشینی کے بعد اپنے پوتوں کے نام کیقباد، کیخسرو، کیکاوس اور کیمرس رکھے[3]۔ بلبن کی دینداری اور سخت گیری سے یہ فائدہ تو ضرور ہوا کہ وہ برائیاں جو معاشرہ میں رائج ہوگئی تھیں کم ہوگئیں اور لوگوں نے اگر خوفِ خدا کو چھوڑا تو بلبن کی تلوار کے خوف نے ان کو برائی کے برملا ارتکاب سے روکا مگر اس کے نظریۂ حکومت میں کوئی اصلاح نہیں ہوئی۔

بلبن کے بعد جو امراء تخت نشین ہوئے وہ روحانی، اخلاقی اور ذہنی ہر لحاظ سے

۱۔ تاریخ فیروز شاہی ص ۳۱

۲۔ ایضاً ص ۴۱

۳۔ سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ص ۱۶۱، ۱۶۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پست تھے معیز الدین کیقباد جو بلبن کا وارث ہوا حد درجہ عیاش اور بدکار تھا، اس کی اخلاق باختگی کا تذکرہ بدایونی ان الفاظ میں کرتا ہے۔

"خلیع العذار بودہ باستیفائے لذت و شہوت مشغول شد و اکثر خلائق نیز بمقتضائے خورمئی آں عہد بعیش و عشرت روزگار می گذرانیدند و ارباب لہو و لعب و مسخرگان و مطربان و بازیگراں برخلاف دور جدش تقرب تمام یافتند"[1]

وہ بے شرم تھا اور شہوت و لذت کو پورا کرنے میں مشغول رہا اور اکثر عوام بھی اس عہد کے مقتضا کے مطابق عیش و عشرت میں زندگی گذارنے لگے، اس کے دادا کے دور کے برخلاف بھانڈوں، گویوں، مداریوں اور ارباب لہو ولعب نے تقرب حاصل کر لیا۔

اس کا جو نتیجہ ظاہر ہوا وہ مورخ برنی کے بقول یہ تھا:

"دلہائے خواص و عوام ملک در شراب و شاہد و مطرب و مسخرہ میل کرد و آثار الناس علی دین ملوکھم، در خورد و بزرگ و پیر و جواں و عالم و جاہل و عاقل و ابلہ و ہندو و مسلمان بلاد ممالک پیدا آمد"[2]

"ملک کے خاص و عام کا دل شراب و شاہد اور مطرب و مسخرہ کی طرف مائل ہو گیا اور الناس علی دین ملوکھم کے آثار ملک کے ہندو مسلمان عاقل و بے وقوف عالم و جاہل پیر و جوان اور بچے اور بڑے میں پیدا ہو گئے"۔ اس نے داد عیش دینے کے لیے دریائے جمنا کے کنارے ایک عالی شان محل بنوایا اور اس کے ساتھ دختران خوبرو و عروسان جلوہ گاہ اور مطربوں اور لطیفہ گویوں کو آباد کیا برنی اس وقت کی صورت حال کا نقشہ اس طرح بیان کرتا ہے:

"فسق و فجور رواج گرفت، و مساجد از مصلیان خالی ماند و خمارخانہا معمور گشت و در زاویھا کسے نماند و خلق در عیش و طرب مستغرق گشتند"[3]

فسق و فجور عام ہو گیا مسجدیں نمازیوں سے خالی ہو گئیں، میکدے آباد ہو گئے، خانقاہوں میں

---

[1] منتخب التواریخ ۱/۱۵۸

[2] تاریخ فیروز شاہی ص ۱۳۰

[3] ایضاً

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کوئی نہ رہا اور مخلوق عیش و عشرت میں ڈوب گئی۔

اس کے بعد خلجی خاندان برسرِ اقتدار آیا سلطان جلال الدین خلجی ایک نیک خدا ترس اور پاکباز انسان تھا اس نے رنتھنبور کے محاصرہ کے وقت اپنے نائب احمد چپ کو جو نصیحت کی وہ اس کے مذہبی رجحان کی پوری عکاسی کرتی ہے، اس نے کہا کہ

"مسلمانی اور جو کچھ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اور چیز ہے اور جو کچھ جبابرہ اور فراعنہ نے کیا ہے وہ دوسری چیز ہے۔ میں اس بات کو اپنے دل میں بٹھانے کی پوری کوشش کرتا ہوں کہ جو کچھ پیغمبروں نے کہا ہے بالکل سچ ہے اور قیامت ایک دن آئے گی اور نیک و بد ہر چیز کا خدا کے سامنے جواب دینا ہوگا جو کچھ جابروں اور ظالموں نے کیا ہے اس کی پرسش ان سے ہوگی، ان لوگوں کے اقتدار سے رعب اور ہیبت لوگوں کے دلوں پر طاری تو ہو سکتی ہے لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی دائرہ اسلام سے باہر اس طرح نکل جاتا ہے جس طرح آٹے سے بال نکال کر پھینک دیا جاتا ہے۔"[1]

جلال الدین خلجی نہ صرف ملکی امور میں مذکورہ باتوں کا خیال رکھتا تھا بلکہ اس کی ذاتی زندگی میں بھی شریعت کی پابندی اور منکرات سے اجتناب کا اہتمام پایا جاتا تھا البتہ چونکہ وہ خود شاعر تھا اس لیے اس کے دربار میں شعر و ادب کی محفل بھی ہوتی اور اس کے ساتھ رقص و سرود بھی۔ مگر اس سلطان کو اس کے چچا زاد بھائی اور داماد علاء الدین خلجی نے سازش کے تحت قتل کر دیا اور اقتدار پر قبضہ جما لیا۔[2]

علاء الدین ایک دنیا دار، آزاد خیال اور جاہ پرست حکمراں تھا اسے علم اور علماء سے فیضیاب ہونے کا موقع نہ ملا تھا اور اس کے مزاج میں سختی تھی۔[3] اس کو دولت

---

[1] تاریخ فیروز شاہی ص ۲۱۵

[2] ایضاً ص ۲۳۵

[3] ایضاً ص ۲۶۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور اقتدار کی ہوس نے اتنا مدہوش کیا کہ وہ اپنی مجلسوں میں امراء سے مشورہ لیتا کہ رسول کریمؐ کو خدا نے چار یار عطا کیے جن کی قوت سے انھوں نے دین و شریعت کا آغاز کیا اور پیغمبر کا نام دنیا تک دین کی وجہ سے باقی رہا اگر میں بھی اپنے چار یار الماس بیگ، الغ خاں، ظفر خاں، ملک نصرت خاں کی طاقت سے ایک نئے مذہب کی بنیاد ڈالوں تو قیامت تک میرا اور میرے ساتھیوں کا نام صفحۂ روزگار پر باقی رہے گا۔[1] پھر وہ پوچھتا کہ کون سا طریقہ اختیار کیا جائے جس سے قیامت تک میرا نام باقی رہے اور مخلوق ہمارے بتائے ہوئے راستہ پر چلے جب اس نے اس معاملہ میں اپنے وزیر علاء الملک سے مشورہ کیا تو وزیر سمجھ دار تھا اس نے کہا اگر بادشاہ کا یہ خیال عوام میں مشہور ہو گیا تو بغاوت پھیل جائے گی اور اسے اقتدار سے بھی ہاتھ دھونا پڑے گا۔[2]

سلطان علاء الدین نے ایک مرتبہ خود بھی شراب نوشی ترک کر دی اور اپنے درباریوں کو بھی اس سے روک دیا مگر اس کی کوئی شرعی وجہ نہ تھی بلکہ سیاسی اور ملکی تھی کیونکہ شراب نوشی سے ملکی امور میں سازشیں ہوتی تھی اور راز فاش ہوتے تھے بعد میں اس نے شراب نوشی کی اجازت دے دی۔[3]

علاء الدین کے بعد اس کا بیٹا قطب الدین مبارک شاہ تخت پر بیٹھا اس کی اخلاقی حالت اس قدر پست تھی کہ بدایونی کے بقول "اکثر اوقات زنانہ لباس زیب تن کرتا اور عورتوں کی طرح زیور و زینت سے آراستہ ہو کر مجلس میں حاضر ہوتا شراب نوشی اور دوسرے فسق و فجور کا برملا ارتکاب کرتا وہ اپنی جنسی خواہشات کی تکمیل کے لیے مرد و عورت کی تمیز بھی روا نہ رکھتا۔"[4] جب بادشاہ کی اخلاقی حالت یہاں تک گر گئی تو رعایا کے دلوں میں بھی فسق و فجور پرورش پانے لگا اور بے حیائی و بدکاری کو فروغ ملنے لگا۔ برنی ان حالات کی تصویر کشی ان لفظوں میں کرتا ہے:

"اغلب مردماں توبہا بشکستند وصلاحیت وعفت را خیر باد گفتند واشتغال

---

[1] تاریخ فیروز شاہی ص۲۶۳ [2] ایضاً ص۲۶۵

[3] شیخ محمد اکرام، آب کوثر ص۱۷۱، کراچی ۱۹۵۸ء

[4] منتخب التواریخ ۱/۲۱۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نوافل وطاعات کہ درخواص وعوام مردم مشاہدہ می شدکمی گرفت و در فرائض خلل افتاد ومساجد بے جماعتی ماندند وازانچہ بادشاہ لیلاً ونہاراً در فسق و فجور اعلاناً واجہاراً استغرق گشت در بواطن رعایا ہم فسق و فجور رست"[۱]

اکثر لوگوں نے توبہ توڑ ڈالی اور نیکی و پاکدامنی کو خیرباد کہدیا اور خاص و عام میں بندگی و نوافل کا جو اہتمام پایا جاتا تھا اس میں کمی آگئی، فرائض میں خلل پڑگیا، مسجدیں جماعت سے خالی ہوگئیں چونکہ بادشاہ رات دن فسق و فجور میں کھلم کھلا غرق رہنے لگا تو رعایا کے اندر بھی فسق و فجور سرایت کرگیا۔

مبارک شاہ نے ایک اور بھیانک کام یہ کیا کہ نیچی ذات کے ایک ہندو بروار بچہ کو گجرات سے لاکر اپنا ندیم اور محرم راز بنالیا اس کے ساتھ غیر فطری تعلق قائم کیا اور اسے اس حد تک سر چڑھایا کہ اس نے دارالحکومت میں پہونچ کر اور مبارک شاہ کا اعتماد حاصل کرکے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں کا جال بچھا دیا اور جب بعض درباریوں نے اس کی حرکتوں پر انگلی اٹھائی تو بادشاہ کے ذریعہ ان کو عبرت ناک سزا دلوائی بالآخر اس نے ایک رات مبارک شاہ کو بھی قتل کردیا اور اس کے خاندان کے تمام افراد کو ہلاک کردیا اور عورتوں کی بے حرمتی کی[۲] قطبی غلاموں کو تہ تیغ کرکے ان کی عورتوں کو گجرات کے ہندؤں کے حوالہ کردیا[۳] اس نے نہ صرف بادشاہ اور اس کے خاندان کا صفایا کیا بلکہ اسلام اور مسلمان کی تذلیل میں کوئی کسر نہ چھوڑی ذبیحہ گائے پر پابندی لگادی اور اس کی سزا یہ مقرر کی کہ ملزم کو ذبح شدہ گائے کی کھال میں سی کر جلا ڈالا جائے[۴] قرآن مجید کو جمع کرکے کرسیاں بنائیں اور مسجدوں کو بتکدوں میں تبدیل کردیا اور کفر و شرک کے شعائر کو اعلانیہ فروغ دیا[۵] اور فوج میں اپنے ہم مذہبوں کو لاکر بھر دیا۔ غیاث الدین تغلق اس کی سرکوبی

۱۔ تاریخ فیروز شاہی ص ۳۸۴

۲۔ ایضاً ۴۰۶ - ۴۱۱

۳۔ Azeez Ahmad, Studies in Islamic Culture in Indian Environment. p.96 Oxford, 1964.

۴۔ رحلۃ ابن بطوطہ ص ۴۳۵

۵۔ تاریخ فیروز شاہی ص ۴۱۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے لیے دیپالپور ملتان سے آگے بڑھا اور تھانیسر کے مقام پر دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا تو کوئی ڈیڑھ سو سال بعد اللہ اکبر کے مقابلہ میں دہلی کی فوج نے نارائن نارائن کے نعرے لگائے[1]

اس دشمن اسلام بردار بچہ (خسرو خاں) نے ایک طرف انہدام اسلام کا یہ انتظام کیا اور دوسری طرف صوفیائے وقت کے لیے سرکاری خزانے کھول دیے تاکہ وہ اس کے کفر و الحاد پر ردعمل کا اظہار نہ کریں مشائخ نے بھی اسے مصلحتاً قبول کر لیا۔ فتح کے بعد جب غیاث الدین تغلق نے مشائخ سے رقموں کی واپسی کا مطالبہ کیا تو سلطان اور حضرت نظام الدین اولیاء کے درمیان تنازعہ اٹھ کھڑا ہوا[2]

غیاث الدین تغلق جس کا لقب غازی ملک تھا، اس نے خسرو خاں کو شکست دیکر اسلام اور مسلمانوں کو دوبارہ غالب کیا اور اس نے اعلان کیا کہ میں نے حکومت کے لالچ میں یہ جنگ نہیں لڑی ہے اگر قطبی خاندان میں کوئی فرد موجود ہے تو وہ حکومت کرے ورنہ حاضرین میں سے دونوں عہد کے بزرگ آگے بڑھیں مگر چونکہ قطبی خاندان کا کوئی فرد خسرو خاں کی تلوار سے نہ بچ سکا تھا اس لیے امراء اور عوام نے متفق ہو کر غیاث الدین تغلق ہی کو اپنا حکمراں چن لیا[3] سلطان غیاث الدین کی زندگی بہت پاکیزہ تھی۔ وہ صوم و صلوٰۃ کا پابند تھا اور منکرات و فواحش سے اسے سخت نفرت تھی۔ اس کا عدل و انصاف ضرب المثل تھا اور دینی امور کی انجام دہی میں بہت مستعد رہتا تھا۔ برنی کہتا ہے کہ "اس کی ذات سے اسلام میں نئی جان آئی، مسلمان از سر نو تازہ ہوئے اور شعار کفر زمین بوس ہوا"[4]

مگر اس سلطان کا انجام بھی یہ ہوا کہ محمد بن تغلق نے لکڑی کا ایک محل بنوایا اور اس طرح اس کی تعمیر کی کہ جب بادشاہ ہاتھی پر سوار ہو کر اس میں داخل ہوا تو وہ زمین بوس ہو گیا اور بادشاہ کی وفات ہو گئی[5]

غیاث الدین تغلق کے بعد محمد بن تغلق تخت نشیں ہوا۔ محمد بن تغلق کا ذاتی کردار

---

[1] آب کوثر ص ۲۴۹

[2] Studies in Islamic culture P. 98

[3] تاریخ فیروز شاہی ص ۴۲۲

[4] ایضاً ص ۴۲۳

[5] رحلۃ ابن بطوطہ ص ۲۰۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اچھا تھا وہ نماز روزہ کا خود بھی پابند تھا اور عوام کو بھی اس پر آمادہ کرتا تھا۔ اس کو اسلام کی اشاعت و تبلیغ سے بھی دلچسپی تھی۔ ابن بطوطہ اس کے متعلق اس تاثر کا اظہار کرتا ہے[1]

"شعائر الدین عندہ محفوظۃ ولہ اشتداد فی امر الصلوٰۃ والعقوبۃ علی ترکہا

ملزموں کے جرائم کی تفتیش اور فیصلہ کے نفاذ کے لیے اس نے اپنے محل میں چار مفتیوں کو مقرر کر رکھا تھا جن کا کام جرائم کی تحقیق کے بعد سزا تجویز کرنا تھا[2] اس کے باوجود وہ اپنی جس حیثیت کا دعویدار تھا مشائخ اور عوام اسے قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ اس کے ذہن پر دین و شریعت سے زیادہ عقلیت اور فلسفہ کا غلبہ تھا[3] دوسرے یہ کہ اس کا طرز حکومت آمرانہ اور مطلق العنانی پر مبنی تھا۔ ضیاء الدین برنی ایک طرف تو اس کی نیکیوں اور خوبیوں کی فہرست پیش کرتا ہے دوسری طرف اس کے مظالم کی روداد بیان کرتا ہے وہ لکھتا ہے

"پنج وقت نماز فرائض ادا کند و ہیچ مسکرے از مسکرات نچشد واز زنا ولواطت و نظر بحرام و خیانت نورزد، و ہیچ قمارے نبازد واز فسق و فجور معتاد اجتناب و احتراز نماید و با ایں ہمہ خون مسلمانان سنی و مومنان صافی اعتقاد بوں جوئے آب بر طریق سیاست پیش دخول سلطانی رواں گرداند"[4]

پانچوں وقت کی فرض نماز ادا کرتا ہے اور کوئی نشہ آور چیز نہیں پیتا اور محرمات کے قریب نہیں پھٹکتا، جوا نہیں کھیلتا فسق و فجور سے دور رہتا ہے ان سب کے باوجود سنی مسلمانوں اور صحیح العقیدہ مومنوں کا خون جوئے آب کی طرح بادشاہ کے دروازہ پر رواں رہتا ہے

ابن بطوطہ نے بھی اس کے مظالم کی تفصیل بیان کی ہے اور اس کا وہ خود بھی شاہد ہے وہ کہتا ہے کہ اس کا دروازہ شاذ و نادر ہی مقتولوں سے خالی رہتا ہے۔ وہ

---

[1] رحلۃ ابن بطوطہ ص۴۲۴

[2] منتخب التواریخ ۱/۲۳۹

[3] تاریخ فیروز شاہی ص۴۶۵

[4] ایضاً ص۴۶۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لکھتا ہے کہ محمد بن تغلق نے ایک وقت میں ساڑھے تین سو آدمیوں کو قتل کرایا[۱] ملتان میں بہرام کی بغاوت پر جب اس نے قابو پالیا تو ملتان کے باشندوں کے قتل کا بھی اس نے حکم دے دیا مگر شیخ الاسلام رکن الحق والدین کی سفارش پر اسے نافذ نہ کیا[۲] اسی جبر و تشدد کا نتیجہ تھا کہ اس کے آخری عہد میں نافرمانی اور بغاوت روز بروز بڑھتی چلی گئی۔ عدل کی جگہ ظلم اور اسلام کی جگہ کفر پھیلنے لگا[۳] یہ ظلم و تعدی محض عام لوگوں تک محدود نہ تھا بلکہ اس نے بہت سے مشائخ کو بھی سزائیں دیں۔ کچھ کو اپنی خدمت پر مامور کیا اور کچھ قتل بھی کیے گئے تو[۴] اس کے مشق ستم کا نشانہ بننے والے شیخ شہاب الدین اور شیخ ضیاء الدین سمنانی بھی تھے جن کی ڈاڑھیاں اکھیڑ ڈالی گئیں[۵] اس کے دربار میں شاہانہ اسراف اور لہو و لعب کا بھی اثر تھا مغنیوں اور رقاصوں کا تماشہ ہوتا اور بعد میں یہ امراء کے حوالہ کردی جاتیں[۶]

محمد بن تغلق کے بعد فیروز شاہ تغلق مسند نشین سلطنت ہوا اس سلطان کی دینداری اور خدمت اسلام کے چرچے بہت ہوئے یہاں تک کہ وہ اولیا رحضرت الہ اور نائب رسول کے مقدس القاب سے یاد کیا جانے لگا، اس کے عہد میں مسلم معاشرہ بگاڑ کی جس پستی میں پہونچ گیا تھا وہ خلیق احمد نظامی کے الفاظ میں یہ تھی۔

"اخلاقی قدروں کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی تھی، مذہب میں توہمات نے راہ پالی تھی، قبر پرستی اور پیر پرستی نے تصوف کی بنیادوں کو منہدم کر دیا تھا اباحتی فرقے اپنے افکار و نظریات کے پھیلانے میں سرگرم تھے، بدعات واحداث کا ہر طرف ہنگامہ تھا، یہی حال ہندو سوسائٹی کا بھی تھا اس عہد کے بعض مناد بقول ڈاکٹر ایشور ٹوپا شیطانیت کا مرکز تھے"۔[۷]

۱۔ رحلۃ ابن بطوطہ ص ۱۸۷

۲۔ تاریخ فیروز شاہی ص ۴۲۹

۳۔ منتخب التواریخ ۱/۲۲۷

۴۔ رحلۃ ابن بطوطہ ص ۲۰۳-۲۰۲

۵۔ رحلۃ ابن بطوطہ ص ۲۰۳-۲۰۲

۶۔ ایضاً ص ۲۲۹

۷۔ سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ص ۳۰۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فیروز شاہ نے ان برائیوں کو ختم کرنے کے لیے سخت اقدامات کیے، مزارات پر عورتوں کو جانے سے روکا مدعیان نبوت کی سرکوبی کی[۱]۔ دربار شاہی کے ماحول کو اسلامی احکام کے مطابق ڈھالا[۲]۔ شمس سراج عفیف اس کی اصلاحات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"آنچہ در بلاد ممالک نامشروعات بود و بر خلاف شرع روئے می نمود تمام از محصول بلاد مملکت دور کنانند"[۳]

فیروز شاہی اصلاحات کی فہرست طویل ہے شمس سراج عفیف نے اس سلطان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے بالخصوص وہ آخری عہد کا تذکرہ کرتا ہے جس میں بادشاہ نے قیدیوں کی رہائی، مظلوموں کے انصاف اور مساجد کی باز آبادکاری کو اپنا مشغلہ بنا لیا تھا[۴]۔

لودھی سلاطین بھی اپنی دینداری اور شریعت کی پاسداری کی بنا پر سلاطین ہند کی تاریخ میں ممتاز مقام اور اہمیت کے حامل سمجھے جاتے ہیں۔ سلطان بہلول لودھی شریف النفس اور سادہ مزاج انسان تھا وہ امراء اور سپاہیوں سے اپنے لیے کسی ممتاز حیثیت اور خاص عزت کا مطالبہ نہیں کرتا اور اپنی تعظیم میں کھڑا ہونے سے بھی روکتا۔ سب لوگوں کے ساتھ مساویانہ اور برادرانہ سلوک روا رکھتا، فیاضی اور بردباری اس کی فطرت میں شامل تھی، تاریخ داؤدی کا مصنف اس کی سیرت و اخلاق اور دین داری کے بہت سے پہلوؤں پر روشنی ڈالتا ہے مثلاً وہ لکھتا ہے کہ:

"بظاہر آراستہ بشریعت و متابعت آں کمال تقید داشت در کل احوال سلوک بر مسالک شریعت نمودے و خلاف شریعت ہرگز بکار دست نزودے"[۵]

وہ اپنے بیشتر اوقات علماء اور صالحین کی صحبت میں گذارتا، نماز باجماعت کا اہتمام کرتا عدل و انصاف اور فیاضی کا التزام کرتا محتاجوں اور ضرورت مندوں کی خبر گیری کرتا۔[۵]

۱۔ ملاحظہ ہو فتوحات فیروز شاہی، علی گڑھ ۱۹۶۰ء

۲۔ شمس سراج عفیف، تاریخ فیروز شاہی ص ۳۷۲ ۳۔ ایضاً ص ۳۷۳ ۴۔ ایضاً ص ۵۰۳-۵۱۱

۵۔ عبداللہ، تاریخ داؤدی، ص ۱۰، شعبہ تاریخ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ۱۹۶۹ء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس نے بہت سی ان رسموں کو جو عرصے سے رائج تھیں اور شریعت مطہرہ کے خلاف تھیں، بند کر دیا[1]

بہلول کے بعد سکندر لودھی حکمراں ہوا اور حقیقت میں اس نے اپنے باپ کی سچی جانشینی کی، پدرانہ شرافت و دینداری اور خدمت کی روایت کو نہ صرف باقی رکھا بلکہ اسے آگے بڑھایا۔ اس نے حکومت شریعت کے ساتھ نبھائی، اس کی ذاتی زندگی سے متعلق تاریخ داودی میں مذکور ہے کہ "ہیچ چیز از جنس فواحش و قبائح و ذمائم گرد سراپردۂ حال وے رہ نداشت نماز با جماعت گذاردے بعد از نماز پیش تا عشا صحبت با علماء داشتہ تلاوت کتاب مجید کردے"[2]

بادشاہ کی دینداری کا رعایا پر لازماً اثر پڑتا ہے چنانچہ اس کے عہد میں ہر محلہ میں نماز با جماعت ہونے لگی، اس نے مزارات پر جانے سے عورتوں کو روک دیا عوام کے لیے غلہ اور اشیائے خورد و نوش سستا کر دیا اور مسلمانوں کو کفر و شرک کے اثرات سے نجات دلایا[3] وہ اپنے دینی جذبہ اور قومی غیرت وحمیت کا پرجوش طریقہ پر اظہار کرتا اس کے زمانہ میں اصلاح و تقویٰ کا عمل اور امانت و دیانت کا چلن عام ہو گیا۔ ہر خاص و عام میں ادب حیا، صلاح و دینداری اور دین پروری پیدا ہو گئی تھی[4] نوبت یہاں تک پہونچی کہ کوئی شخص خود اپنے غلام پر نگاہ تیز نہیں کر سکتا تھا۔[5] اس کے عہد میں علوم و فنون اسلامی کو ترقی ہوئی۔

سوری سلاطین کی مختصر تاریخ حکومت بھی اپنی خدمات اور اثرات کے لحاظ سے بڑی اہمیت کی حامل ہے اس خاندان کا پہلا حکمراں شیر شاہ سوری قابل، غیرت مند مدبر، دیندار اور تہجد گزار حکمراں تھا اس کی تعلیم و تربیت علماء جونپور کے سایہ عاطفت میں ہوئی تھی گو کہ اسے صرف پانچ سال حکومت کرنے کا موقع ملا اور وہ بھی جنگ کے ہنگاموں کے ساتھ پھر بھی خدمت خلق اور دینداری کے جو کام اس نے کیے وہ قابل قدر و ستائش ہیں

---

[1] عبداللہ، تاریخ داودی، ص ۳۵، شعبہ تاریخ، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ۱۹۶۹ء

[2] ایضاً ص ۳۸ — [3] ایضاً ص ۳۹

[4] ایضاً ص ۴۰

[5] ایضاً ص ۴۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس نے پشاور سے لے کر بنگال تک جرنیلی سڑک بنوائی، مسافروں کی سہولت کے لیے سرائے، کنواں، سایہ دار درخت اور مساجد کا انتظام کیا۔ علماء و فضلاء کی قدر دانی، مدارس کا قیام مظلوموں کی فریاد رسی اور کمزوروں کی دستگیری کا اہتمام کیا۔ ہمارے مورخین کو شکایت ہے کہ اس نے رہتاس کا قلعہ فتح کرنے کے لیے پورن مل کے زیر کمان رائے سین کے چار ہزار سپاہیوں کو تہ تیغ کر دیا اور پورن مل کے بیٹے کو آختہ کر دیا[۱] مگر اس کی وجہ یہ تھی کہ پورن مل رائے سین کے قلعہ میں بغاوت کا علم بلند کر کے اس علاقہ کے اکثر پرگنہ پر قابض ہو گیا اور دو ہزار مسلمان عورتوں کو اپنے حرم میں داخل کر کے رقاصوں اور پاتریوں کے زمرہ میں شامل کر دیا اس سے شیر شاہ کی دینی اور بادشاہی غیرت متحرک ہوئی اور اس نے اس کی سرکوبی کی[۲]۔ شیر شاہ اکثر و بیشتر کہا کرتا ہے:

"بادشاہوں کو چاہیئے کہ وہ حالات کا صفحہ عبادت سے رقم کریں تاکہ عوام اور ملازمین عبادت کی طرف مائل ہوں اور ہر وہ اطاعت جس کا صدور رعایا سے ہو بادشاہ کو اس میں شریک ہونا چاہیئے، فسق و فجور فتوحات کے ظہور کے لیے مانع ہے، بادشاہوں کو اللہ تعالیٰ کے اوامر کی خلاف ورزی نہیں کرنی چاہیئے"[۳]

شیر شاہ کی جانشینی اس کے بیٹے اسلام شاہ نے کی اور اس کے بعد مغلوں نے اس خاندان سے تخت و تاج چھین لیے۔ مسلم سلاطین کا یہ آخری طبقہ (مغل) تھا جس کا نسبی تعلق تیمور و چنگیز سے تھا۔ سقوط بغداد کے بعد مغل اگرچہ مسلمان ہو گئے مگر ابھی تک ان کے ذہنوں سے عہد جاہلیت کے اثرات اور تصورات محو نہ ہو سکے تھے، ساتویں صدی ہجری تک ان کو کافر سمجھا جاتا تھا۔[۴] ہندوستان کے مسلم حکمراں ان کو کافر و ملحد اور زندیق کے نام سے پکارتے تھے ان کی طرف سے وہ اتنے بدظن تھے کہ کئی بار ان کا قتل عام کیا۔[۵] ان کی سیاست بھی

۱۔ ابو القاسم فرشتہ، تاریخ فرشتہ ۱/۲۳۷، نول کشور

۲۔ ایضاً

۳۔ تاریخ داودی ص ۳۰۹

۴۔ منتخب التواریخ ۱/۳۸۶

۵۔ عرب و ہند کے تعلقات ص ۸۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان کے ہوس واقتدار اور ملک گیری کے تابع تھی، سیاست ظالمہ کی تشریح کرتے ہوئے مولانا عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں کہ:

"مشرق میں اس قسم کا سیاسی قانون پہلے چنگیز خاں نے بنایا تھا، اور قانون کی ایک کتاب مرتب کرائی تھی جس کا نام یاسہ تھا، پھر یہی سیاسہ ہو گیا، چنگیز خاں کے بعد اس کی اولاد نے یہ قانون جاری رکھا اور اسے اپنا دین و مذہب بنا لیا اور کوئی اس دائرہ سے باہر نہیں نکلا لیکن جب وہ مشرق و شمال اور قپچاق کے علاقوں میں پھیلے اور انہیں قید کیا اور غلام بنایا اور پھر ہندوستان تک آئے تو اس وقت وہ اسلامی اصول قرآن اور شریعت اسلامیہ سے واقف اور متاثر ہو چکے تھے، چنانچہ انہوں نے حق و باطل کا ایک امتزاج تیار کیا قاضیوں کو ایک طرف تو انہوں نے تمام دینی امور کا نگراں بنادیا۔ مگر دوسری طرف اپنے ذاتی معاملات میں اپنی پرانی سیاست کے آداب کی پابندی کرتے رہے۔"[1]

مغلیہ خاندان نے اگرچہ ایک پائیدار اور وسیع مملکت کی بنا ڈالی یہ بالقصد اسلام کی خدمت واشاعت کے جذبات پر مبنی نہ تھی بلکہ جہانداری اور توسیع اقتدار کے عزم اور منہاج نظر سے وابستہ تھی سلطان بابر ابتدا میں شریعت کا پابند نہ تھا۔ وہ شراب اور دوسری منکرات کا بھی عادی تھا، فتح دہلی کے بعد شمالی ہندوستان کے راجاؤں نے رانا سانگا کے ساتھ مل کر جب بابر کا مقابلہ کیا اور بابر کی فوج شکست کے آثار دیکھ کر ہمت ہارنے لگی تو اس وقت بابر نے اپنی شراب نوشی اور دوسرے غیر شرعی اعمال یہاں تک کہ ریش تراشی سے توبہ کی، اور دعا کر کے میدان میں اترا، اللہ نے اسے کامیابی عطا کی، بابر کے اقتدار سے اسلام کو یہ فائدہ ضرور ہوا کہ ہندو راجاؤں نے جن مسجد اور اسلامی اداروں کو گوسالہ وغیرہ میں تبدیل کیا تھا، وہ واگذار ہوئے، مسلمانوں پر جو مظالم ہوتے تھے وہ ختم ہوئے، دینی مراکز قائم ہوئے اور علوم وفنون کی سرپرستی ہوئی۔ بابر کا رویہ اپنی رعایا کے ساتھ نرمی اور رواداری پر مبنی تھا۔

---

[1] عبدالحی لکھنوی، ہندوستان اسلامی عہد میں ص ۶۳، ترجمہ شمس تبریز خاں، لکھنؤ ۱۹۷۲ء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہمایوں شریعت کا پابند نہ تھا اور منکرات کا اسیر تھا، اس کی اخلاقی کمزوریوں کا فائدہ اٹھا کر شیر شاہ سوری نے اسے اقتدار سے بے دخل کر دیا۔ تاریخ داؤدی کا مصنف لکھتا ہے کہ جس وقت شیر شاہ جھارکھنڈ کے پہاڑوں میں فروکش ہو کر وہاں کے راجا مہارتھ کو زیر کیا تو اسے خوب مال غنیمت ہاتھ آئے، راجہ کی بیٹی بھی فوجیوں کے ہاتھ آئی اس کی خوبصورتی کا عالم یہ تھا کہ قلم تقدیر نے اس سے زیادہ خوبصورت تصویر نہیں بنائی۔ افغان سرداروں نے اس شاہزادی کو شیر شاہ سوری کے سامنے پیش کیا، شیر شاہ نے جب اسے دیکھا تو ناراض ہوا اور کہا یہ مجسم بلا ہے اسے میرے سامنے سے ہٹا دو، شیر شاہ کے مقربین نے کہا یہ حسین صورت دوشیزہ جس سے آفتاب و ماہتاب شرمندہ ہے اسے بلا کیسے کہا جا سکتا ہے تو شیر شاہ نے کہا اگر اسے میں اپنے گھر میں رکھ لوں تو کاروبار زندگی سے غافل ہو جاؤں گا اور یہ عمر کا تقاضا بھی نہیں ہے اسے ڈولی میں بٹھا کر ہمایوں کے پاس بھجوا دو اور جب کہار ہمایوں کے ڈیرہ کے پاس پہونچے تو لوگوں سے یہ پوچھے کہ شیر شاہ کا ڈیرہ کہاں ہے ہم اس کے محل کے لیے یہ دوشیزہ لائے ہیں۔ جب ہمایوں کو یہ خبر ملے گی تو فوراً اسے بلالے گا اور حکومت کی یاد بھی اسے نہ آئے گی اس وقت ہم اپنا کام کر جائیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا، ہمایوں اس مجسم بلا کو پالنے کے بعد دو ماہ تک فوجی نقل و حرکت سے غافل رہا اور شیر شاہ نے اپنا منصوبہ پورا کر لیا[1]

اسلامی تہذیب کو سب سے زیادہ نقصان اکبر نے پہونچایا۔ اکبر ایک جاہل حکمراں تھا اسی وجہ سے وہ راہِ راست سے بھٹک گیا۔ اس کی اسلام سے بے زاری اور شعار کفر کی آبیاری تاریخ ہند کا ایک المناک باب ہے۔ ملا عبد القادر بدایونی نے اس کی کفریات کا تفصیلی مشاہدہ کیا ہے اور سلیقہ سے قلم بند کیا ہے[2] شیخ احمد سرہندی نے بھی اپنے

---

[1] تاریخ داؤدی ص۱۲۲-۱۲۳

[2] دیکھیے منتخب التواریخ جلد دوم۔ عہد اکبری کے مورخین اور واقعات نویس حضرات اکبر کے خوف سے اس کی بے دینی اور اسلام مخالف سرگرمیوں کی روداد نہ لکھ سکے مگر بدایونی نے جرأت و ایمانداری سے کام لیکر ان حقائق سے پردہ ہٹایا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ جہانگیر بادشاہ نے پابندی لگا دی تھی کہ ممالک محروسہ کے کاتب منتخب التواریخ کی خرید و فروخت نہ کریں، ملاحظہ ہو صمصام الدولہ شاہ نواز خاں ماثر الامرا ۱/۶۸۷، اردو ترجمہ پروفیسر الہ بخش اختر [?] لاہور ۱۹۶۸ء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مکتوبات میں اسی صورتِ حال کی طرف جا بجا اشارے کیے ہیں[۱]۔ اکبر کے دورِ حکومت میں شعائرِ اسلام کا مذاق اڑایا گیا۔ ذبیحہ گائے پر پابندی عائد کی گئی۔ ہجری سال کو تبدیل کرنے کی کوشش کی گئی۔ عربی پڑھنا اور جاننا معیوب اور قرآن پڑھنا مطعون ٹھہرا، آفتاب اور آتش کی پوجا کو فروغ ملا۔ بادشاہ کے لیے سجدہ ایجاد ہوا، دینِ محمدی کو منسوخ کرنے کا حکم ہوا، بدکاری کے لیے شیطان پورہ محلہ آباد کیا گیا اور ہندوانہ رسم و رواج کو رواج دیا گیا وغیرہ[۲]

جہانگیر نے اکبر کی پھیلائی ہوئی کفریات میں اضافہ تو نہیں کیا مگر ان کا پورے طور پر استیصال بھی نہیں کیا۔ علماء و مشائخ کے تعلقات و اثرات کے تحت اس نے کسی حد تک بعض چیزوں کو ختم کرنے کی بھی سعی کی مگر خود اس کی ذاتی اور درباری زندگی شرعی حدود و قیود سے آزاد رہی۔ اس نے اپنی شراب نوشی کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اٹھارہ سال کی عمر سے لے کر ۳۸ سال کی عمر تک مسلسل پی رہا ہوں۔ شروع میں بیس بیس جام پی جایا کرتا تھا۔ اب اس قدر پیتا ہوں جس سے کھانا ہضم ہو جائے[۳] انھوں نے ذبیحہ پر پابندی عائد کرنے سے متعلق لکھا ہے کہ میں نے حکم دیا کہ میرے والد بزرگوار کے اصول کے مطابق ہر سال میری پیدائش کے دن، اور ربیع الاول سے لے کر اب تک میری عمر کے جتنے سال بنتے ہیں اتنے دن ملک میں ذبیحہ نہ کیا جائے، اس کے علاوہ ہفتہ میں دو دن یعنی جمعرات اور اتوار کو ذبح نہ ہو۔ جمعرات اس لیے کہ میری تخت نشینی کا دن ہے اور اتوار اس لیے کہ میرے والد بزرگوار کی پیدائش کا دن ہے[۴]

شاہجہاں کے عہد میں صورتِ حال کچھ اور بہتر ہوئی علوم و فنون دینیہ کی اشاعت ہوئی اسلامی مراکز بھی جگہ جگہ قائم ہوئے۔ مساجد و مدارس کی سرپرستی ہوئی اور فاسد رسموں کی اصلاح پر بھی توجہ دی گئی گویا عہدِ شاہجہانی سے سماجی تبدیلیوں کی شروعات

---

[۱] ملاحظہ ہو مکتوبات امام ربانی [۲] منتخب التواریخ صفحات ۳۰۶، ۳۰۳، ۲۶۱

[۳] جہانگیر، تزک جہانگیری ص۳۰۶، اردو ترجمہ مولوی احمد علی رام پوری، لاہور ۱۹۶۰ء

[۴] ایضاً جہانگیر نے شاہزادہ خرم کو جبکہ اسکی عمر چوبیس سال تھی شراب پیش کی اور یہ شعر پڑھا ؎

مے دشمن مست و دوست ہوشیار است — اندک تریاق و بیش زہر مار است

در بسیارش مضرت اندک نیست — در اندکست منفعت بے شمار است

M.Yaseen, A Social History of Islami India, P.97. Lucknow, 1958

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوئی مگر شاہجہاں کی درباری زندگی پر عجمی تصور حکومت کے اثرات برقرار رہے۔
بالآخر اسی خاندان سے اورنگ زیب عالمگیر جیسا متقی اور بالغ نظر حکمراں پیدا ہوا جو نہ صرف اپنی ذات میں دین وشریعت کا پابند تھا، بلکہ اس کا ملکی نظام بھی شرعی قوانین کا آئینہ دار تھا، مسلم سلطنت کے زوال سے پہلے اس سلطان نے ہندوستان میں جو کام کیا وہ اسلام اور مسلمانوں کے حق میں نہایت حوصلہ افزا تھا اس نے ایک طرف تو دینی علوم کی اشاعت پر بھرپور توجہ دی، دوسری طرف باطل طاقتوں کی مزاحمت اور اسلام کی اشاعت پر بھی کمربستہ ہوا، پچھلی فاسد رسموں کو نہ صرف مٹایا بلکہ احیار دین کی ہمہ گیر کوشش کی، چنانچہ اس سلطان کو ہندوستان میں احیار اسلام کا امین قرار دیا جانے لگا اورنگ زیب سے قبل اخلاقی قدروں کو جو زوال آیا تھا، اور معاشرتی وسیاسی نظام میں جو خرابیاں واقع ہوگئی تھیں ان سب کو دور کرنے کی اس نے انتھک جدوجہد کی۔ اس کے زمانہ میں کوئی شہر اور کوئی قصبہ ایسا نہ تھا جہاں جوا اعلانیہ کھیلا جاتا یا جہاں فاحشہ عورتیں کھلم کھلا بدکاری کا ارتکاب کرتیں، شراب افیون اور چرس وغیرہ ممنوع قرار دی جا چکی تھی۔ ان کی کاشت پر بھی پابندی عائد تھی، وہ خود بھی ہر قسم کی اخلاقی برائی سے پاک تھا اس لیے اس کے حکام اور اس سے قریب رہنے والے عہدیدار بھی ہر طرح کے جرائم سے پرہیز کرتے تھے۔ اس کی اصلاحات کا دائرہ یہاں تک وسیع تھا کہ مردوں کے قمیص کی لمبائی کی بھی حد مقرر تھی، انہوں نے عورتوں کو تنگ شلوار استعمال کرنے سے منع کر دیا تھا صوفیاء کے عرس ومزارات پر ان کی حاضری پر پابندی عائد کردی تھی، لوگوں کی بری عادت چھڑوانے کے لیے انہوں نے علمار اور محتسب حضرات کو مقرر کیا تھا۔[1]

اورنگ زیب عالمگیر کے جانشین سیاسی لحاظ سے کمزور بزدل اور ناعاقبت اندیش، دینی لحاظ سے بے کردار اور آزاد، اخلاقی لحاظ سے عیاش واقع ہوئے تھے انھوں نے ان اصلاحات کو نہ صرف برقرار نہ رکھا بلکہ پھر بدنظمی بے دینی اور بداخلاقی کی فضا پیدا کر دی، کسی کے دینی عقائد متزلزل ہوگئے تو کسی نے ڈمنی لال پر فریفتہ ہو کر حکومت کی باگ اس

---

[1] رشید اختر ندوی، مسلمان حکمراں ص۸۱۳، لاہور ۱۹۶۱ء

[2] Zaheeruddin faruki, Aurangazeb And his times P. 560 Delhi 1935

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رقاصہ کے حوالہ کردی[1] کسی نے مینا بازار کا اہتمام کیا جہاں آتش شہوت کو ٹھنڈا کرنے کا انتظام تھا۔[2] کسی نے محمد حسین مشہدی کے نئے دین کی پشت پناہی کی[3] کسی نے افیون کھانے کو زندگی کا بہترین مشغلہ بنایا اور فسق و فجور کا عام ماحول پیدا کردیا۔[4] کسی نے شریعت محمدی پر نکتہ چینی کی اور مذہبی احکام کا مذاق اڑایا[5] کسی نے عیش و عشرت میں ڈوبے رہنے کو زندگی کی قیمت جانا اور گویا ہوئے ؂

صبح تو جام سے گذرتی ہے ۔۔۔ شام دل آرام سے گذرتی ہے
عاقبت کی خبر خدا جانے ۔۔۔ اب تو آرام سے گذرتی ہے[6]

نتیجہ یہ ہوا کہ سیاسی گرفت ڈھیلی پڑی تو طوائف الملوکی شروع ہوئی، غیر مسلموں نے موقع کو غنیمت جان کر صدیوں کا انتقام لمحوں میں حاصل کرلینے کا تہیہ کرلیا، اسلامی شعائر کمزور ہونے لگے اور کفر کے شعائر ظاہر ہونے لگے۔ بالآخر انگریزوں نے سازش اور چالاکی سے مسلمانوں کی طویل حکومت کا خاتمہ کردیا اور اس کے ساتھ ہی ہندوستان سے مسلمانوں کا اقبال بھی رخصت ہوا۔

ہندوستان کے سلاطین کی مجموعی صورت حال کا جائزہ لینے سے دو باتیں ابھر کر سامنے آتی ہیں ایک تو یہ کہ ان سلاطین (بجز چند ایک کے) کا مقصد ملک گیری اور جہانداری تھا، اسلام کی خدمت اور اشاعت ایک ضمنی بات تھی جب کہ بہت سے سلاطین اس کی خدمت کیا کرتے اس کو نقصان پہونچانے کے درپے تھے بعض شعوری طور پر اور بعض غیر شعوری طور پر۔

دوسرے یہ کہ ان سلاطین کا اپنا درباری ماحول جس کا اثر بہرحال عوام پر پڑتا

---

[1] طباطبائی، سیر المتاخرین ۲/۳۸۱
[2] محمد عمر، ہندوستانی معاشرت اٹھارویں صدی میں ص ۳۸۰، دہلی ۱۹۷۰ء
[3] ایضاً
[4] سیر المتاخرین ۲/۷۰
[5] ہندوستانی معاشرت اٹھارویں صدی میں ص ۲۹۱
[6] حیرت دہلوی، حیات طیبہ ص ۷ دہلی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے (چند ایک سلطان کے علاوہ) اسلامی تہذیب و تمدن کا آئینہ دار نہ تھا اور اسے خلفاء اسلام سے کوئی مناسبت نہ تھی، بلکہ اس کی مناسبت رستم و نوشیرواں کے طرز حکومت سے تھی۔ ان سلاطین میں سے کسی کے متعلق تاریخ سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ انھوں نے فریضہ حج بھی ادا کیا ہو۔ چند سلاطین کے علاوہ شراب نوشی بھی ہر دربار کی زینت رہی۔ فوجیوں اور افسروں سے یہ لعنت تو شاید کبھی ختم نہ ہوسکی۔ یہاں تک کہ اورنگ زیب کے زمانہ میں بھی صورت حال یہ تھی کہ انھوں نے نہایت افسوس کے ساتھ ایک مرتبہ کہا:

> "پورے ہندوستان میں دو آدمیوں کے علاوہ کوئی شراب نوشی سے پاک نہیں ہے ایک تو وہ خود اور دوسرے ان کے مقرر کردہ قاضی القضاۃ"[1]

سلاطین ہند کی تاریخ کے اس مختصر جائزہ سے یہ معلوم کرنا آسان ہو جاتا ہے کہ مسلم حکمرانوں نے ہندوستان میں اسلام کی توسیع و اشاعت کی کوئی منصوبہ بند کوشش نہیں کی اور نہ ان کی حکومت کا مقصد اسلام کا فروغ تھا، مگر اس میں بھی کوئی دو رائے نہیں کہ اسلام کی اشاعت میں منہمک علماء اور بزرگوں کو ان سلاطین کا نہ صرف تعاون حاصل رہا بلکہ مختلف جہتوں سے اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت کا وہ ذریعہ ثابت ہوئے۔ بلکہ اسلام کے استحکام کی جو کوششیں مساجد اور تعلیم گاہوں کے قیام اور علوم و فنون کی سرپرستی کے ضمن میں ہوئیں وہ بھی اپنی جگہ اہم ہیں۔ ان سب کے باوجود اسلامی تہذیب کو مسلم سلاطین کے حوالہ سے دیکھنا غیر مناسب ہے۔

---

[1] A Social History of Islamic India, P. 98

مشترکہ خاندانی نظام اور اسلام : مولانا سلطان احمد اصلاحی

مشترک خاندانی نظام ہندوستان اور تیسری دنیا کے ملکوں کا ایک اہم مسئلہ ہے۔ اس رسالہ میں ایک طرف اس نظام کے نقائص تفصیل سے بیان ہوئے ہیں اور دوسری طرف اسلام کے مطلوبہ خاندانی نظام کے خدوخال، اس کے مستند ماخذ کی روشنی میں دلائل کے ساتھ واضح کیے گئے ہیں۔ دوسرا ایڈیشن کافی حذف و اضافہ کے بعد آفسیٹ کی حسین طباعت صفحات ۱۰۲ قیمت ۲۰ روپے۔

مکتبہ تحقیق و تصنیف اسلامی، پان والی کوٹھی، دودھ پور علی گڑھ ۲۰۲۰۰۱

© rasailojaraid.com